رئیس احمد جعفری

امام زید میدانِ عمل میں

حوادث اور واقعات کی کارفرمائیاں

اوراقِ ذیل استاذ ابوزہرہ (مصر) کی کتاب "امام زیدؓ" کا ترجمہ ہیں۔ آئندہ اشاعتوں میں دوسرے ابواب بھی پیش کیے جائیں گے۔ جو اپنی افادیت اور اہمیت کے اعتبار سے بے حد فکر آفریں ہیں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ کے بارے میں رائے

آل بیت اگرچہ گوشہ نشینی کو پسند کرتے تھے۔ لیکن حوادث انھیں سیاسی معاملات و مسائل پر لب کشائی کے لیے مجبور کر دیتے تھے۔

بلادِ اسلامیہ میں ایسے طوائف منحرفہ پیدا ہو گئے تھے جو آلِ بیت کے ترجمان بن کر اور ان کے نمائندے کی حیثیت سے ابوبکرؓ و عمرؓ پر سب و شتم کیا کرتے تھے۔

امام زین العابدین کو جب ان حرکتوں کا علم ہوا انھوں نے فوراً اس قول کی نفی کی، اور ایسے جو لوگ مجلس امام میں آ گھسے تھے انھیں اپنے حلقے سے خارج کر دیا۔ ان کے صاحبزادے امام باقر کا بھی یہی وطیرہ اور رویہ تھا۔ انھوں نے اہل عراق کی ان باتوں کی سختی سے نفی کی۔ اور آل بیت کی طرف سے واضح طور پر تردید فرمائی۔

جس قوت و حکومت کی بنیاد حق اور تائید الٰہی پر نہ ہو کار وہ ضعف و زوال سے دوچار

ہوتی ہے۔

چنانچہ ولید بن عبدالملک، سلیمان، اور عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد خاندان بنو امیہ تیزی کے ساتھ رو بہ زوال ہونا شروع ہو گیا۔ اور خلافتِ اموی کو بدلنے کی تحریک شروع ہو گئی۔ یہ تحریک خراسان میں داعیوں نے پھیلائی۔ سنہ ۱۰۲ھ کے واقعات و حوادث کا ذکر کرتے ہوئے مؤرخین نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ ممکن ہے یہ تحریک اس سے بھی پہلے شروع ہو چکی ہو۔ اس دعوت کا آغاز دعوت ہاشمی یا دعوتِ علوی کے نام سے ہوا تھا۔ بعد میں ابو ہاشم عبداللہ ابن محمد الحنفیہ نے از روئے وصیت عباسیوں کی طرف منتقل کر دیا۔ امام کی حیثیت سے (بوقت مرگ) انھوں نے محمد بن علی بن عبداللہ ابن عباس کے لیے وصیت کر دی۔

پہلے پہل یہ تحریک عراق میں ظہور پذیر ہوئی۔ پھر دعاۃ کے ذریعہ یہ عراق سے خراسان پہنچی۔ یہ داعی سوداگروں کے بھیس میں سفر کرتے اور دعوت پھیلاتے رہتے تھے۔

ان داعیوں کی سرگرمیوں کا حال جب مختلف ذرائع سے بار بار والی خراسان تک پہنچا تو اس نے انھیں طلب کیا۔ دونوں کے مابین حسب ذیل سوال جواب ہوئے:

"کون ہو تم لوگ؟"

"تجارت پیشہ لوگ ہیں ہم۔"

"پھر تمھارے بارے میں کس طرح کی خبریں سننے میں آ رہی ہیں؟"

"ہمیں تو نہیں معلوم!"

"کیا تم داعی بن کر نہیں آئے ہو؟"

"ہم اپنے کاروبار میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھلا دوسرے امور سے کیا تعلق؟"

"کوئی ایسا ہے جو ان لوگوں کو جانتا ہو؟"

چنانچہ خراسان کے باشندوں کا ایک گروہ جس میں زیادہ تعداد قبیلہ ربیعہ اور اہل یمن کی تھی، حاضر ہوا، اور اس نے والی کے سامنے شہادت دی:

"ہم ان لوگوں کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں! اور ہر طرح ہم ان کے افعال و اعمال کے ذمہ دار ہیں! "[1]

~~~

مذکورۂ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دعوتِ دولت ہاشمیہ کا آغاز عراق میں ہوا۔ وہاں سے خراسان میں منتقل ہوئی[2]۔

بعض مؤرخین کا تو یہ خیال ہے کہ یہ دعوت حجاج بن یوسف ثقفی کے دَور ہی میں شروع ہو گئی تھی، اور اس کا مرکز عراق تھا لیکن حجاج کے ظلم اور سفاکی نے اس دعوت کو پس پردہ رکھا اور یہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ راز اور اسرار کے نشیمن میں تحریکیں بارآور ہوتی اور انقلابات نشوونما پاتے ہیں۔

~~~

اموی خاندان میں ہشام بڑا قوی اور دور اندیش فرماں روا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ عوام آل بیت کے ساتھ ہیں اور ان کا زیادہ سے زیادہ اجلال و احترام کرتے ہیں۔ جب وہ شہزادہ تھا تو مدینۂ منورہ میں اس نے بچشم خود علی زین العابدین رضؓ کو طوافِ کعبہ کرتے، اور انھیں دیکھ کر ہجوم فرطِ عقیدت سے راستہ دیتے تاکہ وہ حجرِ اسود کو بوسہ دے لیں، دیکھا تھا، اور مطمئن ہو گیا تھا کہ یہ لوگ مدینے میں مقیم ہیں، اور اس کا گورنر ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ اسیرِ زنداں تھے، یا نرم الفاظ میں نظر بند کہ ایک مخصوص دائرے سے باہر قدم نہیں نکال سکتے تھے۔ حکام کے نزدیک یہی پسندیدہ بات تھی اور اس میں وہ کسی طرح کی تبدیلی نہیں چاہتے تھے۔

۱۔ الکامل (ابن اثیر)، ج ۵ ص ۳۸

۲۔ ۱۰۲ھ

معاملات شاید اسی طرح چلتے رہتے اگر آل بیت کا ایک نوجوان (امام زید) تحصیلِ علم اور تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں واردِ عراق نہ ہوا ہوتا، جہاں آل بیت کے شیعہ بہ تعداد کثیر پہلے سے موجود تھے۔

آل بیت کا یہ نوجوان علمی اغراض و مقاصد کے ماتحت برابر مدینے سے عراق، اور عراق سے مدینۂ منورہ آیا جایا کرتا تھا۔ یہ رنگ دیکھ کر ہشام بن عبدالملک جو اب سریر آرائے مملکت تھا، پریشان ہوگیا۔ عراق کی طرف امام زید کی یہ آمد و رفت اس کے لیے موجب صد تشویش و اضطراب تھی، اور قبل اس کے کہ کوئی حادثہ واقع ہو وہ اس کا سدِباب کر دینا چاہتا تھا۔

ہشام نے خراسان کا معاملہ تو اپنے والیوں اور حاکموں کو سونپا کہ وہ جس طرح چاہیں اس سے عہدہ برآ ہوں، البتہ خود اس خطرے کے دفعیہ میں لگ گیا جو اس کے سامنے تھا اور جس نے اس کا خواب و خور حرام کر رکھا تھا۔

~~~~~~~~

لیکن ہشام امام زید پر اس وقت تک ہاتھ ڈالنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا جب تک وہ کھلم کھلا حکومت کے خلاف میدان میں نہ آجائیں۔

اس طرح کی کوئی بات امام زید کے دل میں نہیں تھی، لیکن ہشام تُلا ہوا تھا کہ جس طرح بھی ہو جلد از جلد اس خطرے کو، جو آگے چل کر ایک ناقابلِ دفاع، اور ناقابلِ مقاومت خطرہ بن سکتا تھا ختم کر دے۔

لہٰذا اس نے از خود ایسی تدبیر شروع کی کہ آل بیت سے، اور امام زید سے اس کی ٹکر ہو جائے، تاکہ وہ من مانی کارروائی کر سکے۔

اس سلسلے میں دو باتیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ ابن اثیر نے اپنی کتاب 'الکامل' میں لکھا ہے کہ امام زید اور جعفر بن حسن بن حسن کے مابین کچھ معمولی قسم کے اختلافات اوقاف علی کرم اللہ وجہ کی نگرانی اور تولیت کے سلسلے میں تھے۔
~~~~~~~~

جعفر کا جب انتقال ہوگیا تو ان کے بھائی عبداللہ بن حسن بن حسن سے بھی یہی صورت رہی لیکن ہشام کا اشارہ پاکر خالد بن عبدالملک بن حارث والی مدینہ نے ان دونوں کو ایسا اکسایا کہ نوبت سخت کلامی تک پہنچ گئی۔ کچھ لوگ ادھر ہوگئے۔ کچھ لوگ دوسری طرف"(۱)۔

۲۔ زیدؓ، اور داؤد بن علی بن عبداللہ بن عباس اور محمد بن عمر ابن علی بن ابی طالب نے عراق کا سفر کیا۔

عراق کا والی اس زمانے میں خالد قسری تھا۔ اس نے ان حضرات کو خوش آمدید کہا۔ ان کی خاطر داشت کی۔ مال نذر گزرانا۔ اس کے بعد یہ مدینے واپس آگئے۔

۱۲۰ھ میں خالد قسری معزول ہوگیا۔ اس کے بعد عراق کی ولایت یوسف بن عمر ثقفی کے ہاتھ میں آئی۔ اس شخص نے اپنے پیش رو یعنی خالد قسری پر یہ الزام لگایا کہ اس نے مدینے میں زیدؓ سے زمین کا ایک ٹکڑا دس لاکھ درہم میں خریدا۔ پھر یہ زمین انھیں نذر کردی۔

ہشام نے عامل مدینہ کو فرمان بھیجا کہ وہ ان کو دمشق روانہ کرے۔ جب یہ دمشق آئے تو اس بارے میں ہشام نے سوال کیا۔ انھوں نے یہ اقرار تو کیا کہ انھیں (حسبِ معمول) رقم ملی تھی باقی باتوں سے صاف انکار کر دیا۔

ہشام کو اس انکار سے تسلی نہ ہوئی۔ اس نے قسم دلائی۔ انھوں نے قسم بھی کھالی۔ وہ مطمئن تو ہوگیا لیکن اس نے انھیں حکم دیا کہ عراق جائیں اور خالد کے سامنے اپنی بات دوہرائیں۔ بادلِ ناخواستہ یہ عراق پہنچے۔ خالد کے آمنے سامنے باتیں ہوئیں۔ اس نے ان کے بیان کی تصدیق کر دی۔ اور یہ مدینے واپس آگئے(۲)۔

مروی ہے کہ امام زید اور ان کے رفقائے سفر جب عراق پہنچے تو خالد جیل میں قید تھا۔ یوسف

۱۔ الکامل (ابن اثیر)، ج ۵، ص ۸۵

۲۔ ایضاً

نے امام زید سے کہا:

"خالد کہتا ہے کہ اس نے آپ کے پاس اپنی دولت امانت رکھائی ہے!"

امام زید نے جواب دیا:

"جو شخص بر سر منبر میرے آباء پر سبّ و شتم کرتا ہے" بھلا ممکن ہے کہ وہ اپنی دولت میرے پاس امانت رکھائے؟"

یوسف نے جیل سے خالد کو طلب کیا اور کہا:

"یہ زید ہیں، اور اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ تم نے اپنی دولت ان کے پاس رکھائی ہے"

خالد نے زیدؓ اور داؤد پر ایک نظر ڈالی اور کہا:

"جن لوگوں کو، اور جن کے آباء اور اسلاف کو میں سرِ منبر بُرا بھلا کہتا اور جن پر سب و شتم کرتا رہا ہوں ان کے پاس اپنی دولت کس طرح امانت رکھا سکتا تھا؟"

مذکورہ دونوں امور سے اندازہ ہوتا ہے کہ امراء ہشام نے امام زید کو ذہنی اور قلبی اذیت پہنچانے کے لیے کیسی ناروا اور ناشائستہ حرکتیں کیں۔ پہلے تو خاندان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی۔ آخر میں ایک ایسا الزام لگایا جسے حقیقت اور واقعہ سے دور کا تعلق بھی نہ تھا۔

جب خالد بن عبد الملک بن حارث والی مدینہ کی ایذا رسانیاں حد سے بڑھ گئیں، تو امام زید دمشق تشریف لے گئے۔ اور ہشام بن عبد الملک سے اس کی شکایت کرنے کے لیے ملاقات کرنے کی اجازت چاہی۔ لیکن اذن ملاقات نہ ملا۔ امام زید نے ایک رقعہ لکھ کر ملنے کی استدعا کی۔ اس رقعہ کی پشت پر ہشام نے جواب لکھ دیا:

۱۔ امیر معاویہ کے عہد سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ دمشق، اور اموی حکومت کے ماتحت دوسرے شہروں میں نماز سے پہلے ہر مسجد میں حضرت علیؓ پر سب و شتم از روئے فرمانِ حکومت کی جاتی تھی۔

" اپنے گھر (مدینہ) واپس جاؤ!"

بار بار امام زید ہشام سے ملنے کی کوشش کرتے، اور ہر مرتبہ وہ ملنے سے انکار کر دیتا۔ آخر انھوں نے فرمایا:

"خدا کی قسم میں خالد کے پاس ہرگز واپس نہیں جاؤں گا!"

آخر کئی مرتبہ کی خط و کتابت کی خط و کتابت کے بعد ہشام نے ملاقات کی اجازت دے دی۔ اس آخری ملاقات کی تفصیل مسعودی نے بایں الفاظ ذکر کی ہے:

" امام زیدؓ، ہشام بن عبدالملک کے دربار میں حاضر ہوئے۔ جب سامنے پہنچے تو بیٹھنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ یہ منظر دیکھ کر آپ مجلس کے پائیں میں بیٹھ گئے اور فرمایا:

"یا امیر المومنین، کوئی بھی اتنا بڑا نہیں ہے کہ خدا سے نہ ڈرے،"

ہشام نے کہا:

" خاموش، ایک پست ماں کے بیٹے[1] تو وہ ہے جو اپنے آپ کو سزاوار منصب خلافت سمجھتا ہے حالانکہ تیری ماں باندی تھی۔"

ہشام کی یہ تلخ اور ترش باتیں سن کر امام زید نے فرمایا:

" اگر اجازت ہو تو جواب میں کچھ کہنا چاہتا ہوں، ورنہ پھر خاموش رہوں۔"

ہشام نے جواب میں کہا:

" ہاں اگر تمھارے پاس جواب ہے تو کہو!"

امام زید نے یہ سن کر ارشاد فرمایا:

۱۔ امام زید کی والدہ سندھ کی ایک خاتون تھیں، اور چونکہ عرب کا تفاخر بنو امیہ میں موجود تھا اس لیے ہشام نے طعنہ دیا کہ تمھاری ماں تو غیر عرب خاتون تھی۔ تم ہمارا مقابلہ اور ہماری برابری کس طرح کرنے کی جرأت کر سکتے ہو۔" (مترجم)

"حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ باندی تھیں، لیکن ایک باندی کے بطن سے پیدا ہونے کے باوجود وہ مرتبۂ نبوت پر فائز ہوئے" اور انہی کے صلب سے خیر البشر محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں آئے، اور جہاں تک میرا تعلق ہے میں ابن فاطمہؓ اور ابن علیؓ ہوں۔"
پھر آپ کھڑے ہوئے۔ اور آپ نے چند شعر پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا:

موت درحقیقت مایۂ راحت ونشاط ہے۔
کہ موت سے کسی شخص کو بھی مفر نہیں!"

مذکورہ واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام زید نے حکومت اور اقتدار کی ہوس میں خروج نہیں کیا تھا۔ انھیں ذلیل کیا گیا، اذیت دی گئی، ان کی اہانت کی گئی۔ آخر علیؓ بن ابی طالب کا پوتا میدان میں اتر آیا۔ یہ ہاشمی نوجوان اپنی عزت اور کرامت کو مجروح ہوتے نہ دیکھ سکا۔ یہ موت کے مقابلے میں مردانہ وار آگیا۔ اس نے محسوس کر لیا کہ اگر تلوار کی دھار اس کے حلقوم و گلو پر نہ چلی تو بھی ایک دن مرنا ہے۔ پھر ذلت اور حقارت کی زندگی کیوں گزاری جائے۔ ذلت کی تلخی اور زندگی کی کرواہٹ کے مقابلے میں مردانِ حری کو موت ہمیشہ شیریں اور خوش گوار محسوس ہوئی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ امام زید کو میدانِ جہاد و قتال تک پہنچنے میں دیر نہیں لگی۔ ایسا نہ ہوتا تو یقیناً اپنے اسلاف کی طرح وہ گوشہ نشینی کو ترجیح دیتے اور علم کی نشر و اشاعت میں لگے رہتے۔

ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی معلوم ہو چکی ہے کہ امام زید نے فہم عقائد کے سلسلے میں مذہب اعتزال اختیار کر رکھا تھا، اور معتزلہ کے ہاں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو ہے وہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سمجھنا چاہیے۔ یہ ان کا اصل الاصول ہے، اس سے وہ کبھی اور کسی حالت میں منحرف نہیں ہو سکتے۔ اور خود امام زید بار بار اس حقیقت کا اعلان و اظہار فرما چکے تھے کہ ان کے مقاصد حیات میں سب سے اہم مقصد امت مسلمہ کی اصلاح احوال، اقامتِ حق، اور ہدم بناء باطل ہے۔ ساری زندگی وہ انہی مقاصد کے حصول کے لیے سعی و جہد

کرتے رہے۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ امام صاحب عراق جو کئی مرتبہ تشریف لے گئے تو ان کا مقصد اس سفر سے صرف علم ہی کی نشر و اشاعت نہ تھا بلکہ مذکورہ مقاصد عالیہ کا حصول بھی تھا۔ ان کا ارادہ یہ تھا کی حالات کی اصلاح تدبیر محکم سے سہولت کے ساتھ کریں کہ امویوں نے احوالِ ملی کو زیادہ سے زیادہ پراگندہ اور ناسازگار بنا دیا تھا۔ لیکن ہشام ان کا استیصال کرنے کی فکر میں تھا۔ وہ تاک میں لگا ہوا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے امام صاحب کا رشتۂ جسم و جاں منقطع کر دے۔ امام صاحب نے جب یہ کیفیت دیکھی تو وہ بھی فوراً ہی میدان میں اُتر آئے تاکہ جو کچھ ہونا ہے جلد ہو جائے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ عباسی دعوت پس پردہ جڑ پکڑ رہی تھی۔ یہ خفیہ تحریک اس طرح پوری قوت اور پوری پوشیدگی کے ساتھ اس طرح رواں دواں تھی جیسے پانی دیواروں کے نیچے بہتا رہتا ہے اور کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا اور ایک روز وہ بڑی بڑی دیواروں کو منہدم کر دیتا، اور زمین کے برابر کر دیتا ہے۔

ہشام اپنی نادانی کے باعث صرف ظاہری باتوں کو دیکھ رہا، اور ان کے استیصال کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے ذرا بھی احساس نہیں تھا کہ جس برگ و بار کو وہ قطع کر رہا ہے اس کی جڑیں کتنی گہرائی تک پہنچی ہوئی ہیں۔